قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(متفرقات)

مخلوق

کی

حقیقت کی مثال

فرقان الدین احمد

Ketabton.com

(c) ketabton.com: The Digital Library

بسم الله الرحمان الرحیم

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقّ حَقّاً وَ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَه ؛ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَه ؛

وَلَا تَجْعَلهُ مُلْتَبِساً عَلَيْنَا فَنَضِلُ ؛ وَاجْعَلنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامَاً

مخلوق کی حقیقت کی مثال

(۱۰)

حدیث پاک کے مطابق ایک مسلمان کی زندگی میں اللہ سبحان و تعالٰی کے ساتھ تعلق کے تین درجہ ہوتے ہیں؛ جن میں سے اول درجہ کی حیثیت دنیا کے حساب سے مطلوب ہے؛ یعنی اسلام کی صورت میں اللہ سبحان و تعالٰی کا جو حکم بھی انسان کی طرف متوجہ ہو اس میں اللہ سبحان و تعالٰی کی ظاہری اطاعت۔ دوسرے درجہ کی حیثیت آخرت کے حساب سے مطلوب ہے؛ یعنی ایمان کی صورت میں اللہ کی ظاہری و باطنی اطاعت (توحید مطلوب کا حصول)[1]۔ اس درجہ کے لیے پہلا درجہ مطلوب کی حیثیت رکھتا ہے؛ یعنی جن امور پر اللہ سبحان و تعالٰی کی ظاہری اطاعت ہو گی؛ انہی امور پر باطن میں ایمان پیدا ہو گا[2] [قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ [سورة الحجرات؛ ۱۴] دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور تم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو خدا تمہارے اعمال سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے]۔ اور تیسرے درجہ کی حیثیت دنیا و آخرت کے حساب سے اصل مقصود ہے؛ یعنی احسان کی صورت میں صرف اللہ سے ہی محبت اور اس محبت کی لذت کے باعث اس کی ظاہری و باطنی اطاعت (توحید مقصود کا حصول) اور یہی درجہ در حقیقت دنیا و آخرت میں دین کا اصل حسن ہے اور اس درجہ کے حصول کے لیے اپنے سے قبل دونوں درجوں یعنی اسلام اور ایمان کا موجود ہونا لازم و ملزوم ہے[3] [۔۔۔۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۔۔۔۔ [سورة الحج؛ ۱۶۵] ۔۔۔۔ اور ایمان والوں کو

[1] توحید مطلوب اور توحید مقصود کی تفصیل کے لیے کتاب "قو انفسکم و اھلیکم نارا" میں مضمون "توحید کی حقیقت" کا مطالعہ فرمائیں۔

[2] اس سے تبلیغی بھائیوں کی غلط فہمی بھی واضح ہوتی ہے جو باطنی ایمان کو ظاہری اسلام پر مقدم ٹھہراتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے انفرادی مضمون "تبلیغی جماعت کی حقیقت" کا مطالعہ فرمائیں۔

[3] اسلام؛ ایمان اور احسان؛؛؛ اسلام کا تعلق صرف ظاہر سے ہے اور اسی لیے اس کا واحد معیار حدیث جبرئیل کے مطابق اللہ کی اطاعت کے اعلان یعنی قولی کلمہ طیبہ کے بعد اعتقادی نہیں عملی نماز؛ عملی زکوۃ؛ عملی روزہ اور عملی حج سے ہے؛ جو شخص ان ظاہری

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔۔۔]۔ جتنا اسلام کامل ہو گا اتنا ہی ایمان کامل ہو گا اور ان کے موافق ہی احسان کے درجات کے ذریعے اللہ کی محبت کی لذت کا حصول ممکن ہو گا۔

✓ [حدیث جبرئیل] ۔۔۔۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا **احسان** یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔۔۔۔[صحیح البخاری۔ کتاب الایمان۔ حدیث نمبر ۵۰]

مگر امت کی ایک بہت ہی قلیل تعداد ظاہری اسلام اور باطنی ایمان کی حامل ہونے کے باوجود اس درجہ تک رسائی اختیار کرنے کی سعی کرتی ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی معرفت میں اختیاری کوتاہی ہے۔ معرفت ہی اس محبت کی کنجی ہے جو انسان کو دین میں احسان کے مقام پر فائز کرتی ہے۔ محبت کے لیے دو مطلوب ضروری ہیں کہ **اول** انسان جس کی محبت کا دعویدار ہو؛ اس کو جانتا بھی ہو اور پہچانتا بھی ہو (یعنی محبوب کی ذات و صفات کا تفصیلی ادراک)۔ اور **دوم** اس کی محبت کے حصول کے طریقوں کا ادراک بھی رکھتا ہو۔

اعمال پر کاربند ہو گا وہ دنیاوی فتویٰ کے مطابق مسلمان شمار ہو گا اور اس کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد؛ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی باعث اعتقادی منافقین بھی ان اعمال پر اعتقادی نہیں بلکہ عملی طور پر کاربند ہونے کے باعث ہی مسلمان معاشرہ کا حصہ قرار پاتے تھے۔ خلفائے راشدین ﷺ کی سنت بھی اسی کے مطابق تھی؛ جس کے باعث اعتقادی منکرین زکوۃ کو نہیں بلکہ عملی مانعین زکوۃ کو دنیاوی فتویٰ کے باعث اسلام سے خارج قرار دے کر ان کے جان و مال کو مباح قرار دیا۔ یہ تو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین مہدیین کے بعد وہ "مبارک زمانہ" شروع ہوتا ہے؛ جس میں آخرت سے متعلق اللہ سبحان و تعالیٰ کی رحمت کاملہ کے ظہور کی احادیث کو دنیاوی فتاویٰ کی بنیاد قرار دیتے ہوئے؛ عملی تارک نماز یا عملی تارک زکوۃ یا عملی تارک روزہ یا عملی تارک حج کو بھی مسلمان شمار کیا جاتا ہے۔

ایمان کا تعلق ظاہری اسلام اور باطنی یقین دونوں سے ہے اور قرآن حکیم کے مطابق اس کی کسوٹی فرض عین والا دفاعی جہاد فی سبیل اللہ ہے (سورۃ آل عمران ۱۶۶ ۔ ۱۶۷ ؛ سورۃ النساء ۷۵ ۔ ۷۶) اور بلا عذر فرض عین والے دفاعی جہاد فی سبیل اللہ کا تارک عملی منافق قرار پانے کے باوجود دنیاوی فتویٰ کے مطابق مسلمان ہی قرار پاتا ہے۔

احسان میں ظاہری اسلام کے ارکان بھی شامل ہیں اور باطنی ایمان کی کسوٹی دفاعی جہاد فی سبیل اللہ بھی اور ان سب سے بلند اللہ سبحان و تعالیٰ کی محبت کا وہ احساس جس کے بدولت وہ اپنے محبوب کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے پاتا ہے یا اپنے آپ کو ہمیشہ محبوب کے نظر کرم کے سامنے حاضر پاتا ہے؛ اور اس احساس کے باعث نہ تو دنیا و آخرت کی کوئی اور محبت اس پر غلبہ پاتی ہے؛ بلکہ دین کے ہر فرض یا مستحب کو اپنی طرف ہی متوجہ محسوس کرتے ہوئے ہمہ وقت اپنی عملی کوتاہیوں کے باعث محبوب کی نظر کرم سے محرومی کے خوف میں مبتلا رہتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اللہ سبحان و تعالٰی کی جان پہچان اور اس کی ذات وصفات کی معرفت ہی وہ پہلا مطلوب ہے جو توحید مقصود (یعنی صرف اللہ سے محبت) کے لیے لازم ہے [مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ [سورۃ الحج؛ ۷۴] ان لوگوں نے خدا کی قدر جیسی کرنی چاہیئے تھی نہیں کی۔ کچھ شک نہیں کہ خدا زبردست اور غالب ہے۔]۔ اور اس توحید مقصود کا دوسرا مطلوب کامل اطاعت [4] رسول ﷺ ہے [قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ [سورۃ آل عمران؛ ۳۱] کہہ دو اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تاکہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔]۔

اللہ سبحان و تعالٰی کی ذات کے ذریعے اس کی معرفت تو ناممکنات میں سے ہے؛ نہ ہی اس کی ذات کا آنکھ سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے [لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ [سورۃ الانعام؛ ۱۰۳] اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے، اور وہ نہایت باریک بین خبردار ہے۔] اور نہ ہی اس کی ذات کے متعلق حقیقی یا مجازی مثال پیش کی جاسکتی ہے؛ [۔۔۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ [سورۃ الشوریٰ؛ ۱۱] ۔۔۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔]۔ اس کی ذات کے ضمن میں کوئی معمولی سا تخیّل بھی شرک کے زمرہ میں آئے گا اور اللہ سبحان و تعالٰی کی ذات عالی اس پاک صاف اور اعلی برتر ہے۔ [سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا [سورۃ الاسراء؛ ۴۳] وہ پاک ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے وہ بہت ہی بلند ہے۔]

مگر اس کی ذات عالی جن کامل صفات عالیہ سے مزین ہے؛ ان صفات کے ذریعے اس کی معرفت نہ صرف ممکن ہے؛ بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اللہ سبحان و تعالٰی کی صفات عالیہ کی نہ صرف مجازی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے؛ بلکہ خالق اور مخلوق کی صفات میں ناموں کی مشابہت کے باعث ان صفات کے ذریعے اللہ سبحان و تعالٰی کی معرفت انسان کی عقل کے دائرہ اختیار میں بھی ہے۔

- ✓ **(ربوبیت کی مثال)** ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ [سورۃ زمر؛ ۲۹] اللہ نے ایک مثال بیان کی ہے ایک غلام ہے جس میں **کئی ضدی شریک ہیں** اور ایک غلام سالم **ایک ہی شخص کا** ہے، کیا دونوں کی حالت برابر ہے، سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، مگر ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے۔
- ✓ **(علم کی مثال)** سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا؛ جب موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو ایک پرندہ آیا اور اس نے پانی سے اپنی چونچ بھر لی۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے

---

[4] رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت کی حقیقی تفصیل کے لیے کتاب "قوا انفسکم و اھلیکم نارا" میں مضمون "عقیدہ رسالت کی حقیقت" اور انفرادی مضمون "صغیرہ گناہ کی حقیقت" کا مطالعہ فرمائیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہا "کیا تجھے علم ہے کہ یہ پرندہ کیا کہنا چاہتا ہے؟"؛ موسیٰ علیہ السلام نے کہا "یہ کیا کہنا چاہتا ہے؟"؛ خضر علیہ السلام نے کہا "یہ مجھے کہہ رہا ہے کہ **تیرا اور موسیٰ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے** اتنا ہی ہے جتنا کہ (سمندر کے مقابلے میں) میری چونچ میں پانی ہے"۔ [**سلسلہ احادیث صحیحہ، حدیث نمبر ۳۹۰۱**]

- ✓ **(رحم کی مثال)** نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے قیدیوں میں ایک عورت تھی جس کا پستان دودھ سے بھرا ہوا تھا اور وہ دوڑ رہی تھی، اتنے میں ایک بچہ اس کو قیدیوں میں ملا اس نے جھٹ اپنے پیٹ سے لگا لیا اور اس کو دودھ پلانے لگی۔ ہم سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟"؛ ہم نے عرض کیا کہ "نہیں جب تک اس کو قدرت ہو گی یہ اپنے بچے کو آگ میں نہیں پھینک سکتی۔"؛ نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا کہ "اللہ اپنے بندوں پر **اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والا** ہے جتنا یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہو سکتی ہے"۔ [**صحیح البخاری، حدیث نمبر ۵۹۹۹**]

اہل سنت والجماعت کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے کہ حقیقی وجود کا اطلاق محض خالق کی ذات پر ہوتا ہے۔ باقی تمام مخلوق حادث؛ محدود اور فانی ہے [۔۔۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۔۔۔ [سورۃ القصص؛ ۸۸] ۔۔۔ اس کی ذات (پاک) کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے ۔۔۔] جس کے باعث مخلوق کے وجود کی حقیقت؛ خالق کے قدیم؛ لامحدود اور غیر فانی وجود کے تناظر میں ایک احساس؛ خیال یا تخیّل [Perception] کی مانند ہے۔

پھر خالق حقیقی نے اپنی مخلوق کو عاقل اور غیر عاقل میں تقسیم فرمایا؛ جس میں فرشتوں کو صرف عقل سلیم سے نوازتے ہوئے اپنی اطاعت کے لیے خالص کر لیا۔ جنوں کو عقل کے ساتھ نَفْسِ بہیمی عطا کرتے ہوئے اپنی اطاعت کا اختیار عطا فرما کر اعمال کا مکلف ٹھہرا دیا اور انسان کو عقل اور نَفْسِ بہیمی کے ساتھ ساتھ روح عطا فرماتے ہوئے نہ صرف اپنی اطاعت کا اختیار عطا فرما کر اعمال کا مکلف ٹھہرا دیا؛ بلکہ اسی روح کی باعث؛ جس کا تعلق اللہ سبحان و تعالیٰ کے خلق نہیں بلکہ امر سے ہے [وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا [سورۃ الاسراء؛ ۸۵] اور یہ لوگ تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔]؛ انسان کو اشرف المخلوقات کا شرف نصیب ہوا [فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ [سورۃ ص؛ ۷۲] جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔]؛ اور اس روح کی صفات جو خالق کی صفات کی محض ایک پرچھائیں ہیں؛ ان کے باعث ہی انسان کو زمین پر خلافت کا منصب عطا ہوا [وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ

(c) ketabton.com: The Digital Library

فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۔۔۔۔ [سورۃ البقرۃ؛ ۳۰] اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔۔۔۔] ؛ان صفات میں بھی سب سے افضل علم کی صفت قرار پائی [وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ۔۔۔۔[سورۃ البقرۃ؛ ۳۱] اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے۔۔۔۔]۔ کیونکہ روح کی اسی صفت کے ذریعے انسان اپنے خالق ومالک کی حقیقی معرفت حاصل کر سکتا ہے [فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ ۔۔۔۔[سورۃ محمد؛ ۱۹] پس جان رکھو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔۔۔۔] ؛جس حقیقی معرفت سے شیطان لعین قربت نصیب ہونے کے باوجود محروم رہا[5]۔

یہی وہ علم کی صفت ہے جس کے باعث ایک عاقل انسان کسی شئے کے جزء سے اس کے کُل تک پہنچ جاتا ہے؛ کسی مثال سے حقیقت کا ادراک کرنے کا اہل ہو جاتا ہے؛ تخیّل کی پرواز اختیار کر کے اپنے دین ودنیا میں ترقی کے نئے پیمانہ دریافت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم بھی انسان پر مثالوں کے ذریعے ان حقیقتوں کو آشکارا کرتا ہے جن کے بارے میں خود اس کا مؤقف ہے کہ انسان ان کی اصل حقیقت کو نہیں جان سکتا؛اب یہ ہر انسان کی قوت تخیّل پر منحصر ہے کہ وہ ان مثالوں میں رنگ بھر کر اپنے دین ودنیا میں کتنا نفع حاصل کرتا ہے۔

- ✓ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ [سورۃ السجدہ؛ ۱۷] **كوئی متنفس نہیں جانتا** کہ اُن کے لئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔ یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔
- ✓ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ [سورۃ محمد؛

---

5 روح اور نفس باہمی میں موجود علم کی صفت میں بنیادی فرق ان کی وسعت سے ہے۔ نفس باہمی سے متصل علم کی صفت کا تعلق محض سمع وبصر سے ہے؛ جبکہ روح سے متصل علم کی صفت کی پرواز میں سمع وبصر کے ساتھ وحی کی صورت میں اللہ سبحان وتعالٰی کے علم کی صفت سے براہ راست مستفید ہونے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ ایمان اور شریعت کا مکلف قرار پانے کے لیے عقل کی موجودگی میں سمع وبصر کے ذریعہ علم کا حصول ہی کافی ہے؛ اور اسی باعث انسان اور جن دونوں اپنی اپنی شریعتوں کے مکلف ہیں؛ مگر احسان کے مدارج کے حصول کے لیے روح وحی کے ذریعہ حصول علم کی محتاج ہے۔ انبیاء کے لیے وحی کے ذریعہ حصول علم کا طریقہ یقینی علم کا مقام رکھتا ہے؛ جبکہ غیر نبی کے لیے الہام وکشف کے ذریعہ حصول علم کا طریقہ ظنی علم ہونے کے باعث؛ اس کا قرآن وسنت کے تابع ہونا لازم ہے۔ اور جن وحی کے علم سے محرومی کے باعث گروہ انسانی کے انبیاء اور ان پر نازل کردہ اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کے مکلف ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

۱۵]جنت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ **اس کی صفت یہ ہے** کہ اس میں **پانی کی نہریں** ہیں جو بو نہیں کرے گا۔ اور **دودھ کی نہریں** ہیں جس کا مزہ نہیں بدلے گا۔ اور **شراب کی نہریں** ہیں جو پینے والوں کے لئے (سراسر) لذت ہے۔ اور **شہد مصفا کی نہریں** ہیں (جو حلاوت ہی حلاوت ہے) اور (وہاں) ان کے لئے **ہر قسم کے میوے** ہیں اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے۔ (کیا یہ پرہیز گار) ان کی طرح (ہو سکتے) ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن کو **کھولتا ہوا پانی** پلایا جائے گا تو ان کی **انتڑیوں کو کاٹ** ڈالے گا۔

دیگر انسانی صفات کی مانند علم کی بنیاد پر تخیّل کی صلاحیت اللہ سبحان و تعالٰی کی ایک عظیم نعمت ہے؛ جس کے باعث ایک انسان اپنے ذہن میں موجود معلومات کو ایک خیالی تصویر کے روپ میں ڈھال لیتا ہے؛ اور پھر انسان کی روح یا اس کا نفس اس تصویر میں رنگ بھرتے ہوئے اس تخیّل کو مکمل کرتے ہیں۔ اگر انسان کا نفس اس کی روح پر حاوی ہو تو یہ تخیّل کی صلاحیت اس کو جانوروں کی سطح پر گرا دیتی ہے؛ بلکہ اس سے بھی نیچے۔ اور اگر انسان کی روح نفس پر حاوی ہو تو یہ تخیّل قرآن اور حدیث میں موجود موت سے لے کر جنت یا جہنم کے داخلہ تک کے تمام مراحل[6] اور جنت کی نعمتوں یا جہنم کے عذابوں کی تفصیلی مثالوں کی شکل میں موجود معلومات کی بنیاد پر اس کے نفس کو توحید مطلوب کے حصول کی صورت میں اللہ کی بے لذت ظاہری و باطنی اطاعت کی طرف پھیرے رکھتا ہے۔

بعینہ ہم اپنی روح میں موجود حادث؛ ناقص اور وہبی صفات کے علم کی بنیاد پر اپنے تخیّل کو استعمال کرتے ہوئے توحید مقصود کے حصول کی کوشش میں اللہ سبحان و تعالٰی کی صفاتی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں؛ مگر اس میں کامیابی کا کل دارومدار عارف کے تخیّل کی مضبوطی اور اس میں رنگ سازی پر ہے؛ جتنا یہ تخیّل مضبوط اور مزین ہو گا اتنا ہی اس کی روح پر اللہ کی معرفت کا رنگ چڑھے گا۔ [صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ [سورة البقرة؛ ۱۹] (کہہ دو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے۔ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں]۔

اس طویل تمہید کے بعد ہم بالآخر اپنے تخیّل کے سفر کا آغاز؛ بند آنکھوں کے ساتھ ایک ایسی تصوراتی دنیا سے کرتے ہیں؛ جو ہمارے خیالات کے ذریعے مزین ہے۔ اب اس تصوراتی دنیا میں ایسے تخیّلاتی کردار کا تصور زندہ کریں جو ہمارے لیے معلوم و معروف حیثیت رکھتا ہو اور ہماری تفویض شدہ مصنوعی ذہانت کے باعث

---

[6] ان تمام مراحل کی تفصیل کے لیے انفرادی مضمون "امید اور خوف کی حقیقت" کا مطالعہ فرمائیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

عاقل بھی ہو؛

تو اب چاہے ہمارا یہ تخیّلاتی کردار اپنے بارے میں گمان رکھتا ہو۔۔۔؛

--کہ--وہ مادر پدر آزاد ہے اور ہمارے **قابو** میں نہیں ہے۔[أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ [سورۃ البلد؛ ۵] کیا وہ خیال رکھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پائے گا]

--کہ--وہ جو بھی اعمال اس تصوراتی دنیا میں کر رہا ہے؛ ہم اس کے **شاہد** نہیں ہے۔[أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ [سورۃ البلد؛ ۷] کیا اسے یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں]

--کہ--ہم اس کے خالق نہیں ہیں بلکہ اس کا وجود صرف اس تصوراتی ماحول کا **مرہون منت** ہے۔[وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ [سورۃ الجاثیہ؛ ۲۴] اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے۔ اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں۔ صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔]

--کہ--ہمارا تخیل کردہ یہ تصوراتی ماحول **ابدی** ہے۔[قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا [سورۃ الجاثیہ؛ ۲۴] ---کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو گا۔]

--کہ--اس تصوراتی دنیا میں جو اسباب وہ جمع کر رہا ہے؛ وہ محض اس کا **ذاتی کمال** ہے۔[قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ---[سورۃ القصص؛ ۷۸] بولا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور) سے ملا ہے---]

مگر ہم تو یقینی علم رکھتے ہیں۔۔۔؛

--کہ--اس تخیّلاتی کردار کو ہم نے ہی **زندگی** بخشی ہے اور جب چاہیں اس کو **فنا** کر دیں۔[إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ [سورۃ ق؛ ۴۳] ہم ہی تو زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے]

--کہ--یہ تخیّلاتی کردار اپنی زندگی کے لیے ہماری **حیات** کا محتاج ہے اور بعینہ اپنے دوام کے لیے بھی ہماری **قیّومیت** کا محتاج ہے۔[اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ [سورۃ البقرۃ؛ ۲۵۵] اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے سب کا تھامنے والا]

--کہ--اس تخیّلاتی کردار کو ہماری معمولی سی **اونگھ** اور **نیند** بھی کو فنا کرنے کے لیے کافی ہے۔[لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ [سورۃ البقرۃ؛ ۲۵۵] اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند]

(c) ketabton.com: The Digital Library

--کہ--اس تخیّلاتی کردار کا نہ **ماضی** ہم سے پوشیدہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا **حال**۔[يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ [سورة البقرة؛ ٢٥٥] جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے اسے سب معلوم ہے]

--کہ--یہ تخیّلاتی کردار اپنے **علم** میں ہمارے تفویض شدہ علم کا کُلی طور پر محتاج ہے۔[وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ [سورة البقرة؛ ٢٥٥] اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے)]

--کہ--یہ تخیّلاتی کردار جس **تصوراتی دنیا** میں موجود ہے؛ وہ ہمارے ہی تخیّل کا نتیجہ ہے۔[لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ [سورة البقرة؛ ٢٥٥] جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہیں سب اسی کا ہے]

--کہ--یہ تصوراتی دنیا جو ہمارے ہی تخیّل کی پیداوار ہے؛ جتنی بھی مزین ہو؛ اس کے باوجود اس کی حفاظت اور دوام ہمارے لیے کسی **مشقت اور تکلیف** کا باعث نہیں ہو سکتی۔[وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا [سورة البقرة؛ ٢٥٥] اسے ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں]

--کہ--اس تخیّلاتی کردار کی اس تصوراتی دنیا میں **حفاظت** بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ [لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ---[سورة الرعد؛ ١١] اس کے آگے اور پیچھے خدا کے چوکیدار ہیں جو خدا کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں---]

--کہ--اس تخیّلاتی کردار کی اس تصوراتی دنیا میں تمام **ضروریات** مہیا کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔[وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ---[سورة النحل؛ ٧٢] اور خدا ہی نے تم میں سے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور کھانے کو تمہیں پاکیزہ چیزیں دیں---]

--کہ--اس تخیّلاتی کردار کے تمام **اعمال** بھی ہمارے تخیّل کا نتیجہ ہیں۔[وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ [سورة الصافات؛ ٩٦] حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔]

اور یہ بھی حیران کن نہیں ہے----؛

--کہ--ہم اس تخیّلاتی کردار کو نہ صرف تخلیق کریں بلکہ **تقدیر** کی صوت میں اس کی زندگی کا راستہ بھی معین کر دیں۔[---خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا [سورة الفرقان؛ ٢]---جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا]

(c) ketabton.com: The Digital Library

--کہ--یہ تخیّلاتی کردار صرف اسی چیز کی خواہش کر سکتا ہے جس کی **اشتہا** ہم اس میں پیدا کریں۔[وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ [سورة التكوير؛ ۲۹] اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو خدائے رب العالمین چاہے۔]

--کہ--یہ تخیّلاتی کردار اپنے **ہنسنے** اور **رونے** میں بھی آزاد نہیں ہے۔[وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى [سورة النجم؛ ۴۳] اور یہ کہ وہ ہنساتا اور رلاتا ہے۔]

--کہ--ہم اس تصوراتی دنیا میں بغیر اسباب کے **جو چاہیں** تخلیق کر لیں۔[وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ--- [سورة القصص؛ ۶۸] اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) برگزیدہ کر لیتا ہے---]

--کہ--ہمیں اس تصوراتی دنیا میں نہ صرف مکمل تخلیق کی آزادی ہو بلکہ اس میں کوئی **مشقت** بھی نہیں ہو۔[--- وَإِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ [سورة البقرة؛ ۱۱۷] ---جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے]

--کہ--ہم اس تخیّلاتی کردار کو بغیر آنکھوں کے **دیکھ** سکتے ہوں؛ بغیر کانوں کے **سن** سکتے ہوں۔[--- وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ [سورة الشورى؛ ۱۱] --اور وہ دیکھتا سنتا ہے]

--کہ--اس تصوراتی ماحول اور اس میں موجود تخیّلاتی کردار کی پیدائش سے فنا ہونے تک کا وقت ہمارے لیے **چند ساعت کے برابر** ہو۔[--- وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ [سورة الحج؛ ۲۵۵] ---اور بے شک تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک روز تمہارے حساب کے رو سے ہزار برس کے برابر ہے]

--کہ--ہم اس تصوراتی دنیا سے باہر ہونے کے باوجود اپنے تخیّلاتی کردار کے سب سے **قریب** ہوں۔
[--- وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ [سورة ق؛ ۱۶] ---اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں]

--کہ--ہمارا تخیّلاتی کردار اپنے سینے کے راز بھی ہم سے **چھپانے** سے قاصر ہو۔[--- وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ [سورة الحديد؛ ۶] ---اور وہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے]

--کہ--اس تخیّلاتی کردار سمیت اس تصوراتی دنیا میں کوئی چیز بھی ہم سے **پوشیدہ** نہیں ہو۔[--- وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا [سورة الطلاق؛ ۱۲] ---اور یہ کہ خدا اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے]

--کہ--گو ہم اس تخیّلاتی کردار کی کسی متعین سمت میں موجود نہیں ہوں؛ مگر پھر بھی ہمارا تصور **اونچائی** کے ساتھ مزین ہو؛ گویا کہ ہم اپنی تصوراتی دنیا اور اس میں موجود تخیّلاتی کردار کا مشاہدہ بلندی سے کر رہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوں۔[يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ۔۔۔ [سورة النحل؛ ۵۰] اور اپنے پروردگار سے جوان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں ۔۔۔]

۔۔ کہ۔۔ ہم اس تخیّلاتی کردار کو چاہیں تو **بادشاہ** بنادیں یا چاہیں تو **فقیروں** کی فہرست میں شامل فرمادیں۔[قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ۔۔۔[سورة آل عمران؛ ۲۶] کہو کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے۔۔۔]

۔۔ کہ۔۔ ہم اس تخیّلاتی کردار کو چاہیں تو **عزت والوں** کا ہم نشین بنادیں یا چاہیں تو **ذلیلوں** کی فہرست میں شامل فرمادیں۔[۔۔۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ [سورة آل عمران؛ ۲۶] ۔۔۔ اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے]

۔۔ کہ۔۔ ہم جتنی **بار** چاہیں اس تخیّلاتی کردار کو زندگی بخشیں اور فنا کردیں۔[۔۔۔ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ [سورة يس؛ ۷۸ ۔ ۷۹] ۔۔۔ کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے]

اور یہ قطعی طور پر ممکن نہیں ہے۔۔۔؛

۔۔ کہ۔۔ ہماری اس تصوراتی دنیا کی تخلیق میں **کسی اور** کا عمل دخل یا مدد شامل ہو۔[۔۔۔ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ [سورة سبا؛ ۲۲] ۔۔۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے]۔

۔۔ کہ۔۔ ہماری اس تصوراتی دنیا میں **کسی اور** کا حکم یا خواہش ہمارے حکم یا خواہش پر حاوی ہو جائے۔[۔۔۔ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا [سورة الكهف؛ ۲۶] ۔۔۔ اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی شریک کو کرتا ہے]

۔۔ کہ۔۔ ہماری اس تصوراتی دنیا میں ہمارے اس تخیّلاتی کردار کی پکار کو **کوئی** اور سن سکے اور اس کو درپیش کسی مصیبت کو **کوئی** اور دور کر سکے۔[أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ [سورة النمل؛ ۲۵۵] بھلا کون بیقرار کی التجا قبول کرتا ہے۔ جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (کون اس کی) تکلیف کو دور کرتا ہے۔۔۔]

(c) ketabton.com: The Digital Library

۔۔ کہ۔۔ ہماری یہ تخیّلاتی کردار اپنی بڑی بڑی نافرمانی سے بھی ہمیں کوئی **نقصان** پہنچا سکے۔ [إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ [سورة محمد؛ ۳۲] جن لوگوں کو سیدھا رستہ معلوم ہو گیا (اور) پھر بھی انہوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت کی وہ خدا کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے۔ اور خدا ان کا سب کیا کرایا اکارت کر دے گا]

۔۔ کہ۔۔ ہماری اس تخیّلاتی کردار کی غلطیوں؛ کوتاہیوں اور نافرمانیوں کو ہمارے سوا کوئی **معاف** کر سکے۔

[وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ [سورة آل عمران؛ ۱۳۵] اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے]

۔۔ کہ۔۔ ہماری اس تصوراتی دنیا سے **کوئی فرار** حاصل کر سکے۔ [يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ [سورة الرحمن؛ ۳۳] اے گروہِ جن و انس اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ۔ اور زور کے سوا تم نکل سکنے ہی کے نہیں]

۔۔ کہ۔۔ ہمارا یہ تخیّلاتی کردار اس تصوراتی دنیا سے باہر نکل کر ہم سے **روبرو ملاقات** کر سکے۔ [وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ [سورة الشوریٰ؛ ۵۱] اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ خدا کے حکم سے جو خدا چاہے القا کرے۔ بے شک وہ عالی رتبہ (اور) حکمت والا ہے]

۔۔ کہ۔۔ ہمارا یہ تخیّلاتی کردار اس تصوراتی دنیا[7] میں ہماری ذات کا **مشاہدہ** کر سکے۔ [لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ [سورة الانعام؛ ۱۰۳] (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے]

---

[7] قرآن حکیم کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مؤمنین کو موت کے بعد درجات کے مطابق متعدد مقامات پر رؤیت الٰہی نصیب ہو گی مثلاً حشر کے میدان میں؛ جنت میں اور حظیرۃ القدس میں۔ مگر ان تمام قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ میں "الی اللہ"؛ "الی ربّھا" بالعموم اور "وجہ اللہ یعنی اللہ کے چہرے" کا بالخصوص ذکر ہے نہ کے اللہ کی ذات اقدس کا مشاہدہ۔ اور "وجہ اللہ یعنی اللہ کا چہرہ" کا تعلق بھی "ید اللہ یعنی اللہ کا ہاتھ" اور "ساق اللہ یعنی اللہ کی پنڈلی" کی طرح اللہ تعالٰی کی صفات سے ہے؛ جن کی نہ ہم تاویل کرتے ہیں؛ نہ ہی نفی کرتے ہیں؛ نہ ہی ان کی کوئی مثال پیش کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی حالت بیان کرتے ہیں۔ اور باقی تمام صفات کی طرح اللہ کی تخیّل کردہ قبل از موت اور بعد الموت اقالیم میں ان صفات کا ظہور برحق مانتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اگر ہم اپنی ناقص صفات کی بنیاد پر ایک ایسا تخیّل قائم کر سکتے ہیں جس میں ہماری تخلیق کردہ تصوراتی دنیا اور اس میں موجود تخیلّاتی کردار کا ہم سے وہی تعلق ہو؛ جو قرآن حکیم کی صریح آیات کی روشنی میں ہمارا اور ہمارے خالق ومالک کا بنتا ہے؛ تو آخر اختیاری جہالت کے باعث پیدا ہونے والے کبر کے سوا ایسا کون سا انسانی وصف ہے جو ہمیں اپنے کریم رب سے بے نیاز کرنے کا سبب بنتا ہے۔

- ✓ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ [سورة الانفطار؛ ٦] اے انسان تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں **کس چیز نے مغرور** کر دیا۔

تخیّل تو ہمیشہ ہی حادث اور عارضی ہوتا ہے؛ اور ہمارا تخیّل تو ہماری ذات وصفات کی طرح ناقص بھی ہے؛ مگر اللہ سبحان وتعالیٰ کی ذات اقدس بھی کامل اور ان کی صفات عالیہ بھی کامل؛ اور ان صفات کی بنیاد پر قائم ہونے والا تخیّل حادث اور عارضی ہونے کے باوجود کامل نوعیت کا ہے۔ بلکہ ہمارا تخیلاتی کردار جتنا کمزور؛ عاجز اور محتاج ہماری ذات وصفات کے سامنے ہے؛ اپنی حقیقت میں ہم اس سے سینکڑوں گنا زیادہ اپنے خالق و مالک کی ذات وصفات کے سامنے کمزور، عاجز اور محتاج ہیں مگر صرف معرفت کی کمی ہے۔ ہمارا رب ہماری دنیاوی زندگی میں موجود نعمتوں میں وہ وسعت؛ برکت اور سکون پیدا کر سکتا ہے جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہو سکتی یا ہمارے پیش کردہ مصائب وآلام میں وہ شدت پیدا کر سکتا ہے جن میں ہم اپنے تخیّلاتی کردار کو مبتلا کرنے سے قاصر ہیں۔ اور بعینہ اخروی زندگی میں جنت کی نعمتیں؛ ان کی لذتیں؛ ان کی کثرت؛ ان کے انواع واقسام یا جہنم کے عذاب کی قسمیں؛ ان کی ہیبت ناکی اور ان کی شدت ومدت کی صورت میں؛ ہمارا خالق ومالک ہم پر جو قدرت رکھتا ہے وہ ہمارے تخیّل کے تخیّل سے بھی ماورا ہے۔

اور جیسا کہ "توحید کی حقیقت" کے مضمون میں بیان ہو چکا کہ خالق ومخلوق کی صفات میں پانچ بنیادی فرق موجود ہیں اور اس فرق کے باعث ہی اللہ سبحان وتعالیٰ کی صفات کا دائرہ انفرادی سطح پر بیک وقت اس کے تخیّل میں موجود تمام اقالیم اور ان میں موجود کل مخلوق پر بلا تفریق جاری وساری ہے؛ یہاں تک کہ پاتال میں چھپا ہوا کیڑا بھی اللہ سبحان وتعالیٰ کے قبضہ قدرت کے تابع ہے [۔۔۔۔مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۔۔۔۔[سورة هود؛ ٥٦] ۔۔۔ کوئی بھی زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ جس کی چوٹی اس نے نہ پکڑ رکھی ہو۔۔۔۔]؛ صفات کی ایسی وسعت ہمارے تخیّل تو کیا ہماری عقل کے دائرہ سے ہی بعید ہے (سبحان الله و بحمده)۔ اور مزید براں اللہ سبحان وتعالیٰ کی صفات اس کے ارادہ اور قدرت کے تابع ہونے کے باعث اس کے تخیّل میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

موجود کل مخلوق کی انفرادی تقدیر[8] اور پھر اجتماعی تقدیر میں ان کا باہمی ربط نہ صرف کامل حکمت پر مبنی ہے ؛بلکہ اس کی رحمت کی صفت کا غلبہ بھی کل عالم پر عیاں ہے۔

مزید اللہ صرف خلق کا مالک نہیں بلکہ امر بھی اس ہی کے تابع ہے [۔۔۔۔ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ [سورة الاعرف؛ ۵۴] ۔۔۔۔ دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے)۔ یہ خدا رب العالمین بڑی برکت والا ہے] اور اللہ کا امر وہ اقلیم ہے جس کا فہم ہماری ناقص عقل سے بعید ہے۔ اور اللہ سبحان و تعالٰی کا یہ امر روح کی شکل میں انسان کی خلق میں شامل ہونے کے باعث اللہ سبحان و تعالٰی کے تخیّل کی حقیقت کو اپنے تخیّل پر قیاس کرنا عین گمراہی ہے۔

در حقیقت معرفت کے لیے لازم ہے کہ عارف اور معارف کسی مشترکہ وصف کے حامل ہوں؛ جس کے تقابل سے ہی عارف پر اس مشترکہ وصف میں معارف کے کمال اور اپنے نقص کا احساس ہی عاجزی پیدا کرتا ہے۔ اور عارف کبھی بھی معارف کے وصف کے کمال کی فکری اور عملی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا؛ وہ تو محض اپنی صفت کی عاجزی کا ادراک کر سکتا ہے[9] اور یہی عاجزی اصل معرفت ہے؛ جتنا زیادہ عاجزی کا احساس بڑھتا جائے گا اتنی ہی عارف کی معارف سے معرفت بڑھتی جائے گی۔

بعینہ خالق کے مقام کی معرفت کے لیے خالق اور مخلوق میں کوئی مشترکہ وصف تلاش کرنا پڑے گا؛ ایک غیر عارف کو تو صرف کسی مصدقہ گواہی کی بنیاد پر اپنے خالق کے مقام کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ گویہ مشترکہ وصف عارف اور خالق کے درمیان کسی بھی ایک ہم نام صفت (یعنی سماعت؛ بصر؛ حکمت؛ علم؛ خلق؛ رزق؛ رحم؛ عدل وغیرہ)

---

[8] انفرادی و اجتماعی تقدیر؛ تقدیر کے درجات کی تفصیل اور انسان کی شخصی آزادی کی حیثیت کے لیے کتاب "قوا انفسکم و اهلیکم نارا" میں مضمون "تقدیر کی حقیقت" کا مطالعہ فرمائیں۔

[9] مثلاً کسی اولوالعزم نبی کے مقام کی معرفت نبوت کے مشترکہ وصف کے باعث کوئی دوسرا نبی ہی کر سکتا ہے کیونکہ ایک نبی ہی اس دل کی مضبوطی کا احساس کر سکتا ہے جو وحی کے علم کا بوجھ اٹھا سکتا ہے، چاہے وہ خود اس درجہ کے علم کے بوجھ کا متحمل نہ ہو سکتا ہو؛ ایک غیر نبی کو تو صرف کسی مصدقہ گواہی کی بنیاد پر اولوالعزم نبی کے مقام کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ **یا**۔ ایک جہان دیدہ عالم کے مقام کی معرفت علم کے مشترکہ وصف کے باعث کوئی دوسرا عالم ہی کر سکتا ہے کیونکہ ایک عالم ہی ان علم کی باریکیوں کا احساس کر سکتا ہے جو کسی دوسرے عالم کے علم میں جھلکتی ہیں، چاہے وہ خود اس علم کی باریکیوں کے حصول سے قاصر ہو؛ ایک غیر عالم کو تو صرف کسی مصدقہ گواہی کی بنیاد پر اس جہان دیدہ عالم کے مقام کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ **یا**۔ ایک تجربہ کار طبیب کے مقام کی معرفت طب کے علم کے مشترکہ وصف کے باعث کوئی دوسرا طبیب ہی کر سکتا ہے؛ ایک مریض کو تو صرف کسی مصدقہ گواہی کی بنیاد پر اس تجربہ کار طبیب کے مقام کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

کو قرار دیا جا سکتا ہے؛ مگر اس مضمون میں بیان کردہ علم کی صفت کی بنیاد پر ہمارے تخیّل سے آراستہ تصوراتی دنیا اور اس میں موجود تخیّلاتی کردار کے ذریعے ہماری عاجزی اور محتاجی کا وہ ہمہ گیر تصور واضح ہوتا ہے؛ جس کی منتہی پر رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اسی ہمہ گیر معرفت کا ادنی سا ثبوت حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کے دن کی اس خاص دعا سے بخوبی ہوتا ہے؛

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ

«اللهُمَّ إِنَّكَ **تَسْمَعُ** كَلَامِي، **وَتَرَى** مَكَانِي، **وَتَعْلَمُ** سِرِّي وعلانيتي، **لَا يَخْفَى** عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِي، أَنَا **الْبَائِسُ الْفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ الْمُسْتَجِيرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهِ**، أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ **الْمستكينِ** وأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ ابتهالَ **الْمُذْنِبِ الذَّلِيلِ**، وَأَدْعُوكَ دُعَاءَ **الْخَائِفِ الضَّرِيرِ** مَنْ **خَضَعَتْ** لَكَ رَقَبَتُهُ **وَفَاضَتْ** لَكَ عَيْنَاهُ و **ذلَّ** جَسَدُهُ **وَرَغِمَ** أَنْفُهُ لَكَ، اللهُمَّ **لَا تَجْعَلْنِي** بدُعائِكَ **شَقِيًّا**، وَكُنْ بِي رَءُوفًا رَحِيمًا، يَا خَيْرَ الْمَسْئُولِينَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِينَ»

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں عرفہ کی شام کو میدانِ عرفات میں رسول اللہ ﷺ کی خاص دعا یہ تھی؛

"اے اللہ! تو میری بات **سنتا** ہے، اور میں جہاں اور جس حال میں ہوں تو اس کو **دیکھتا** ہے، اور میرے ظاہر و باطن سے تو **باخبر** ہے، تجھ سے میری کوئی بات **ڈھکی چھپی** نہیں۔ میں **دُکھی** ہوں، **محتاج** ہوں، **فریادی** ہوں، **پناہ جو** ہوں، **ترساں** ہوں، **ہراساں** ہوں، اپنے **گناہوں کا اقراری** ہوں۔ تجھ سے سوال کرتا ہوں جیسے کوئی **عاجز مسکین** بندہ سوال کرتا ہے۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے **گناہگار ذلیل و خوار** گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے دعا کرتا ہوں جیسے کوئی **خوف زدہ آفت رسیدہ** دعا کرتا ہے۔ اور اس بندے کی طرح مانگتا ہوں جس کی **گردن تیرے سامنے جھکی** ہوئی ہو اور **آنسو بہہ رہے** ہوں اور تن بدن سے وہ **تیرے آگے فروتنی** کئے ہوئے ہو اور **اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ** رہا ہو۔ اے اللہ! تو مجھے اس دعا مانگنے میں **ناکام اور نامراد نہ رکھ** اور میرے حق میں **بڑا مہربان نہایت رحیم ہو جا**۔ اے ان **سب سے بہتر و برتر** جن سے مانگنے والے مانگتے ہیں اور جو مانگنے والوں کو دیتے ہیں"۔ [معارف الحدیث ۔ کتاب الاذکار والدعوات۔ حدیث نمبر ۱۲۵۵ ۔ معجم کبیر للطبرانی]

یہ حدیث اس کل مضمون کا جوہر؛ اللہ سبحان و تعالٰی کی معرفت کا خزانہ اور ہر مسلمان کو دعوت فکر دیتی ہے کہ قبل از موت؛ اس دنیا میں اللہ سبحان و تعالٰی کی اس سے زیادہ معرفت فکری اور عملی طور پر ممکن نہیں ہے؛ بشرطیکہ عارف کو یہ معرفت حقیقت میں فکری اور عملی طور پر نصیب ہو؛ محض قولی نہ ہو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اوراس معرفت کاکم ازکم فکری مظہر یہ ہوگا کہ دین اسلام [10] ہمارے نزدیک ہماری مجبوری نہیں بلکہ ہماری ضرورت کی حیثیت اختیار کرجائے اوراس کم ازکم فکری معرفت کاکم ازکم عملی مظہر یہ ہوگا کہ دنیاوی معاملات کی طرح دینی عبادات [11] کے دنیاوی فوائد (یعنی ان کے دنیاوی اثر) کے حصول کی عملی کوشش ہماری زندگی میں شامل ہوجائے۔

خوش نصیب عارفین کے لیے خالق کی معرفت کاسفر موت کے ساتھ منقطع نہیں ہوجاتابلکہ اس دنیاوی معرفت کے عوض موت کے بعد ہر مرحلہ پر اس کی اس معرفت میں مزید اضافہ ہی ہوتا رہے گا؛جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے؛

- ✓ ۔۔۔۔نبی کریم ﷺ نے فرمایاکہ آخر میں آگے بڑھوں گااور عرش تلے پہنچ کر اپنے رب عزوجل کے لیے سجدہ میں گرپڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ **مجھ پر اپنی حمد اور حسن ثناء کے دروازے کھول دے گا** کہ مجھ سے پہلے کسی کووہ طریقے اوروہ محامد نہیں بتائے تھے۔۔۔۔[صحیح بخاری ۔ جلد دوم ۔ تفاسیر کا بیان ۔ حدیث ۱۹۰۵]

اور جنت میں اللہ سبحان وتعالیٰ کے چہرہ "وجہ اللہ" کا حسن باقی تمام جنت کے محاسن کے تقابل میں وہ اکملیت رکھے گا کہ جنتیوں کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ کی اس صفت کاملہ کی معرفت کے سامنے تمام جنت کی نعمتیں بے رونق ہوں گئیں۔

- ✓ نبی ﷺ نے فرمایاکہ "جب تمام جنت والے جنت میں چلے جائیں گے ؛تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ "کیاتم مزید کچھ چاہتے ہو؟"؛وہ جنتی عرض کریں گے "اے اللہ!کیاتونے ہمارے چہروں کوروشن نہیں کیا؟؛کیاتونے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟؛کیاتونے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی؟"۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ "پھر اللہ ان کے اوراپنے درمیان سے پردے اٹھادے گا اور جنتی اللہ کادیدار کریں گے توان کو **اس دیدار سے زیادہ** کوئی چیز پیاری نہیں ہوگی"۔[صحیح مسلم ۔ جلد اول ۔ ایمان کا بیان ۔ حدیث ۴۴۹]

تخیّل کی طاقت کااندازہ بخوبی اس بات سے لگایاجاسکتاہے کہ اس کے باعث ایک عاقل انسان اپنے آپ کو جانور تصور کرلیتاہے اوراس تصور کواپنے اوپر اتناحاوی کرلیتاہے کہ عملاً جانوروں والے اطوار اختیار کرلیتا

---

[10] دین اسلام کی وسعت کی تفصیل کے لیے انفرادی مضمون "دین اسلام کی حقیقت "کامطالعہ فرمائیں۔

[11] مزید تفصیل کے لیے کتاب "قوانفسکم واھلیکم نارا" میں مضمون "عبادت اور عبادات کی حقیقت "کامطالعہ فرمائیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے (جس کی عمدہ مثال جاپان میں ایک شخص کا خصوصی طور پر کتے جیسا لباس تیار کروا کر کتے جیسی زندگی بسر کرنا ہے)؛ یا وہ باطل تخیّل جو انسان کو اپنی پیدائشی جنس سے ہی بغاوت پر آمادہ کر دے؛ یا جس طرح انسانوں کی ایک معقول تعداد ٹی وی اور سینما سے نشر شدہ باطل معلومات کی بنیاد پر غیر حقیقی مافوق الفطرت کرداروں یا پسندیدہ جھوٹے کرداروں کو اپنے تخیّل کے بنیاد پر اس حد تک زندہ کر لیتے ہیں کہ ان کی اپنی ذات ان کرداروں کے سامنے محو ہو جاتی ہے۔ بلکہ اب جدید ٹیکنالوجی کی بدولت انسان مجازی [Virtual Reality] اور حقیقی دنیا میں فرق کو مٹاتے ہوئے اپنے تخیّل میں ہی زندہ رہنے کو زندگی قرار دے رہا ہے۔

اب اگر ایک مسلمان اپنے ایمان کی فکر کرتے ہوئے؛ حق پر مبنی قرآن و حدیث کی معلومات کی بنیاد پر اپنی تخیّل کی صلاحیت کو استعمال کرتے ہوئے؛ اس کارخانہ خدا میں اپنے مقام کو؛ اپنے عجز کو؛ اپنی معذوری کو اور اپنی محتاجی کو پہچان کر احسان کے مقام پر فائز ہونے کی عملی معرفت حاصل نہیں کر سکتا؛ تو کم از کم اس بات کی فکری معرفت تو پیدا کرے کہ اس کل کائنات میں؛

کوئی اللہ سبحان و تعالٰی کا شریک ہو ہی نہیں سکتا؛ **سبحان اللہ**[12]

کوئی اللہ سبحان و تعالٰی سے زیادہ شکر اور تعریف کے قابل ہو ہی نہیں ہو سکتا؛ **الحمد اللہ**[13]

کوئی اللہ سبحان و تعالٰی سے زیادہ قدرت؛ عظمت اور کبریائی والا ہو ہی نہیں ہو سکتا؛ **اللہ اکبر**[14]

---

[12] اور اللہ کی پاکی بیان کرتے ہوئے؛ اپنے نفس کو ہمیشہ فہمائش کرے کہ تیرے "سبحان اللہ" کہنے سے اللہ کی پاکی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا؛ اس بلند و بالا ذات کی پاکی تو کائنات کا ذرہ ذرہ بیان کر رہا ہے؛ در حقیقت اے نفس؛ ہر بار اخلاص سے "سبحان اللہ" کہنے سے تو خود اس کے مساوی شرک سے؛ کفر سے؛ نفاق سے؛ ریاکاری سے؛ کبر سے اور کذب سے پاک ہوتا ہے؛ یعنی اے نفس اس بابرکت کلمہ کا اصل فائدہ تیری اپنی پاکی میں اضافہ کی صورت میں تجھے ہی نصیب ہوتا ہے اور اگر تو اس فائدہ سے محروم ہے تو اللہ اپنی پاکی کے بیان کے لیے تیرے جھوٹے قول کا محتاج نہیں ہے۔

[13] اور اللہ کی حمد بیان کرتے ہوئے؛ اپنے نفس کو ہمیشہ فہمائش کرے کہ تیرے "الحمد اللہ" کہنے سے اللہ کی کسی ادنی سے ادنی نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہوتا؛ اور تو تو اس کی کل نعمتوں کے ادراک سے ہی قاصر ہے؛ در حقیقت اے نفس؛ ہر بار اخلاص سے "الحمد اللہ" کہنے سے اس عظیم ذات کے احسانات کا احساس ہی تیری عملی شکر گزاری میں اضافہ کا باعث بننا چاہیے؛ یعنی اے نفس اس بابرکت کلمہ کا اصل فائدہ عملی شکر گزاری (یعنی اس کی نعمتوں کا صحیح استعمال) کی صورت میں تجھے ہی نصیب ہوتا ہے اور اگر تو اس فائدہ سے محروم ہے تو وہ ذات جس کی نعمتوں سے تیری طرح کافر بھی مستفید ہو رہے ہوں؛ اپنی حمد و شکر کے بیان کے لیے تیرے جھوٹے قول کی محتاج نہیں ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور یقیناً جب وہی پاک ہے؛ لائق حمد ہے اور لائق کبریائی ہے تو اس کے علاوہ کون ہے جو اس ہی کے تخلیق کردہ کائنات میں "انداد" یا "" "ارباب" ہونے کا دعویدار ہو سکے؛ **لا اله الا الله**[15]

اور یقیناً اس کائنات میں جب کوئی پتہ بھی اپنی مرضی سے نہیں ہل سکتا؛ تو میں الله تعالی کی توفیق اور آسانی کے بغیر کوئی کام کیسے کر سکتا ہوں؛ **لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم**

کل کلام کا حاصل یہ ہے کہ چاہے انسان اپنی جہالت کے باعث الله سبحان و تعالیٰ کی اس معرفت سے قاصر بھی ہو تو اسلام کی صورت میں اپنے خالق و مالک کی بے لذت ظاہری اطاعت لازم و ملزوم ہے؛ اور پھر اس معرفت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ جس انسان کو اپنی عاجزی کا ادراک ہو جائے تو وہ قرآن و حدیث کے بیان کردہ حقائق پر دل سے ایمان لاتے ہوئے اور اپنے خالق و مالک کی اطاعت کو لازم مانتے ہوئے؛ بے لذت بھی ان کی ادائیگی میں حسب استطاعت مصروف رہے۔ مگر جس انسان کو اس معرفت کے اعلی درجہ کا جتنا حصہ نصیب ہو گا اتنا ہی وہ الله سبحان و تعالیٰ کی محبت کو اپنے دل میں محسوس کرے گا؛ اور اسی محبت کے باعث وہ اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں نہ صرف الله سبحان و تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے اس کی خوشنودی کے حصول کی کوشش کرے گا؛ بلکہ اسی محبت کے باعث زندگی کے مشکل مراحل میں اس کو الله سبحان و تعالیٰ کی ظاہری اطاعت میں استقامت نصیب ہو گی اور باطنی ایمان کے باعث عبادات میں پوشیدہ دنیاوی اثر بھی اس کی

---

[14] اور الله کی کبریائی بیان کرتے ہوئے؛ اپنے نفس کو ہمیشہ فہمائش کرے کہ تیرے "الله اکبر" کہنے سے الله کی کبریائی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا؛ اس بلند و بالا ذات کی کبریائی تو کل کائنات کا مربوط نظام ہی اپنی زبان حال سے بیان کر رہا ہے؛ در حقیقت اے نفس؛ ہر بار اخلاص سے "الله اکبر" کہنے سے تیرے میں اپنی ناتوانی؛ محتاجی اور عاجزی کے احساس میں اضافہ ہوتا ہے؛ یعنی اے نفس اس بابرکت کلمہ کا اصل فائدہ تیری عاجزی (یعنی کل مخلوق کے شر سے الله کی کبریائی کی پناہ) کی صورت میں تجھے ہی نصیب ہوتا ہے اور اگر تو اس فائدہ سے محروم ہے تو الله اپنی کبریائی کے بیان کے لیے تیری جیسی حقیر ذات کے جھوٹے قول کا محتاج نہیں ہے۔

[15] اور الله کی وحدانیت بیان کرتے ہوئے؛ اپنے نفس کو ہمیشہ فہمائش کرے کہ تیرے "لا اله الا الله" کہنے سے الله کی الوہیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا؛ اس بلند و بالا ذات کی الوہیت کا اقرار تو "سبحان الله"؛ "الحمد لله" اور "الله اکبر" کی صورت میں تیری اپنی ذات کے اندر موجود ہے؛ در حقیقت اے نفس؛ ہر بار اخلاص سے "لا اله الا الله" کہنے سے تیرے باطن اور ظاہر میں موجود تمام "باطل معبودوں" کا بطلان ہوتا ہے اور تیرے اطاعت کے جذبہ میں اضافہ ہوتا ہے؛ یعنی اے نفس اس بابرکت کلمہ کا اصل فائدہ تیری عبادت میں (یعنی ظاہری اسلام اور باطنی ایمان میں) اضافہ کی صورت میں تجھے ہی نصیب ہوتا ہے اور اگر تو اس فائدہ سے محروم ہے تو تو الله کی وحدانیت کے اپنے قولی بیان میں جھوٹا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ذات کو نصیب ہوں گے۔ اور احسان کی اسی کیفیت میں عارف کو وہ باطنی لذت[16] محسوس ہو گی جس کے دوام اور اضافہ کی مستقل کوشش اور اس لذت سے محرومی کا خوف اس کو اللہ سبحان و تعالیٰ کی معصیت سے روکے گا[17] اور اس لذت کا منتہی قرآن و حدیث رسول ﷺ کے مطابق جنت میں جنتیوں کے لیے اللہ سبحان و تعالیٰ کا ان سے ہمیشگی کی رضامندی کا اعلان ہو گا۔

- ✓ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ **[سورة الاعرف؛ ۷۲]**
خدا نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے بہشتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور **خدا کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے** یہی بڑی کامیابی ہے۔
- ✓ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل جنتی لوگوں سے فرمائے گا کہ اے جنتیو! پس وہ کہیں گے کہ اے رب! ہم خدمت میں حاضر ہیں اور سب بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہوئے؟ وہ کہیں گے کہ ہم کیسے راضی نہ ہوں گے، ہمیں تو نے وہ دیا کہ اتنا اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی کوئی عمدہ چیز دوں؟ وہ عرض کریں

---

[16] کسی بھی دنیاوی یا دینی نعمت کے حصول کے بعد دونوں میں قدر مشترک باطنی طور پر محسوس ہونے والی ایک باطنی لذت ہے؛ مگر دنیاوی نعمت کے حصول کے نتیجہ میں پیدا ہونی باطنی لذت وقت کے ساتھ معدوم ہو جاتی ہے؛ جبکہ دینی نعمت کے حصول کے نتیجہ میں پیدا ہونی والی باطنی لذت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے حامل کا ایسا مکمل احاطہ کر لیتی ہے کہ دنیاوی نعمتوں کی وقتی لذتوں پر اس کی توجہ ہی مذکور نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک نئی گاڑی کی نعمت کے حصول کے بعد جو باطنی لذت محسوس ہوتی ہے وہ وقت کے ساتھ ساتھ معدوم ہو جاتی ہے؛ مگر نماز کی نعمت کے حصول کے بعد عارف کو جو باطنی لذت محسوس ہوتی ہے؛ وہ وقت گزرنے کے ساتھ اپنے میں اضافہ کے باعث اسی نماز کو عارف کی آنکھ کو ٹھنڈک بنا دیتی ہے۔ مگر جس طرح گاڑی کی نعمت کے حصول کی کوشش میں کوئی باطنی لذت موجود نہیں؛ اسی طرح باطنی لذت کی حامل نماز کے حصول کی کوشش میں پڑھی جانی والی نمازوں میں بھی یہ باطنی لذت غیر موجود ہوتی ہے۔ اور ان نمازوں میں یا دیگر دینی امور میں اسی باطنی لذت کے حصول اور پھر اس میں اضافہ کی کوشش میں عارف اپنے ظاہری اسلام میں لگا تار اضافہ؛ باطنی ایمان میں مسلسل تقویت اور معرفت کی کمی کو دور کرنے کی سعی میں مگن رہتا ہے۔ جبکہ غیر عارف دنیاوی نعمتوں کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی باطنی لذت کے باعث؛ اس باطنی لذت کا بخوبی احساس رکھنے کے باوجود؛ اس کو دنیا کی وقتی اور معدوم ہونے والی لذتوں میں ہی ڈھونڈنے میں مگن رہتا ہے۔

[17] اختیاری گناہ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دور کرنے کے باعث اس باطنی لذت کے معدوم ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ سچی توبہ سے اللہ کے وعدہ کے مطابق گناہ تو یقیناً معاف ہو جاتا ہے؛ مگر اللہ سبحان و تعالیٰ کی قربت کے باعث نصیب ہونے والی اس باطنی لذت کے دوبارہ حصول کے لیے عارف کو پھر انتظار کی کیفیت میں اخلاص کے ساتھ محنت کرنی پڑتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

گے کہ اے رب! اس سے عمدہ کون سی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تم پر **اپنی رضامندی اتاردی** اور اب میں اس کے بعد کبھی تم پر غصہ نہ ہوں گا۔ [**صحیح مسلم۔ جلد سوم۔ جنت اس کی نعمتیں اور اہل جنت کا بیان۔ حدیث ۲۶۳۹**]

اللہ سبحان و تعالیٰ کی اطاعت کی واحد ظاہری صورت اس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کاملہ کی صورت میں موجود ہے [لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا [**سورة الاحزاب؛ ۲۱**] البتہ تمہارے لیے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔]**؛ تو لا محالہ اس سنت کاملہ کے علم کا حصول اور پھر اس علم پر عمل**[18]**؛ نہ صرف اس معرفت کا جزو لازم ہے؛ بلکہ عارف کی ذات میں اس معرفت کی موجودگی کا واحد حقیقی دنیاوی و اخروی معیار۔ اور احسان کی**

---

[18] ہر ظاہری عمل ابتدا میں اسلام ہوتا ہے یعنی یقین و محبت سے خالی اطاعت؛ وہ اطاعت جو دنیاوی اثر سے عاری اور اخروی اجر سے محروم ہوتی ہے؛ مگر اس اطاعت سے فرض کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس ظاہری عمل پر استقامت اور اللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ و القدر خیرہ و شرہ و الیوم اخر پر یقین محکم کے ثمر کے طور پر انسان کو وہ باطنی ایمان نصیب ہونا شروع ہوتا ہے جس کے مرہون منت اسی باطنی ایمان کے تناسب سے اس کی ذات میں اس ظاہری عمل کا دنیاوی اثر اور اخروی اجر نصیب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس ظاہری عمل اور باطنی ایمان کی موجودگی میں اللہ کی معرفت کی کوشش؛ اللہ کی محبت کی صورت میں؛ انسان کو باطنی احسان کی وہ منزل نصیب ہونا شروع ہوتی ہے جس کے باعث ظاہری اعمال کے نہ صرف دنیاوی اثر اور اخروی اجر میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس ظاہری عمل کی ادائیگی میں باطنی لذت پیدا ہونے کے باعث اسی باطنی لذت کی مناسبت سے اخروی حسن بھی پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

حدیث رسول ﷺ کے مطابق چونکہ "۔۔۔ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر موقوف ہے" [**صحیح بخاری۔ جلد سوم۔ تقدیر کا بیان۔ حدیث ۱۵۴۶**]؛ تو موت کے وقت انسان ایمان و احسان کے جس دنیاوی درجہ پر ہو گا؛ وہ اپنے ظاہری عمل میں اسی درجہ کے اجر و ثواب یا حسن کو یکساں پائے گا۔ یعنی اگر کسی انسان کو آخری نماز احسان کے درجہ کی نصیب ہو گئی تو اس کی اسلام اور ایمان کی حالت میں پڑھی گئی تمام نمازیں بھی احسان کے درجہ میں قرار پاتی ہوئیں ایک حسین ترین صورت میں اس کے سامنے پیش ہوں گئیں۔ اسی کی مزید تائید رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ہوتی ہے؛ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "اپنی نماز میں موت کو یاد رکھا کرو؛ کیوں کہ جو شخص نماز میں موت کو یاد رکھے گا؛ تو اس کو اچھی طرح ادا کرنے کی کوشش کرے گا؛ اور اس شخص جیسی نماز پڑھو جس کا یہ گمان ہو کہ اس نماز کے بعد اب کوئی اور نماز نہیں پڑھنی (یعنی ہر نماز کو اپنی آخری نماز سمجھ کر پڑھو)۔ اور ہر وہ کام کرنے سے بچو جس کی وجہ سے (اس کے بعد) معافی مانگنا پڑے۔" [**(جامع الأحاديث، ج:۱/۴۹۲، الرقم:۳۴۱۷، دار الفكر)**]

اور یہ اصول دین کے تمام ظاہری اعمال (مثلاً روزہ؛ زکوۃ و صدقات؛ حج؛ عمرہ؛ تلاوت قرآن پاک؛ اقدامی یا دفاعی جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ) پر یکساں لاگو ہے؛ یعنی ہر عمل کا ارتکاب اس نیت کے ساتھ کہ شاید یہ عمل آخری بار نصیب ہو رہا ہو اور اسی آخری عمل پر میری تمام گزشتہ زندگی میں موجود اس مخصوص عمل کی صحت کا دارومدار ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

صورت میں اطاعت رسول ﷺ میں پوشیدہ یہی اللہ سبحان و تعالیٰ کی رضامندی کی باطنی لذت تھی؛ جس کے باعث صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے دنیا ہی میں رضامندی کا پیشگی پروانہ ملنے کے باوجود؛ ان کو اس باطنی لذت[19] میں مستقل اضافہ کی مسلسل کوششوں سے کوئی نہیں روک سکا۔

جن مضامین کے حوالہ جات اس مضمون میں شامل ہیں ان کے مطالعہ کے لیے راقم کی کتاب "قوا انفسکم و اهلیکم نارا (ایڈیشن چہارم)" اور انفرادی مضامین مندرجہ ذیل مقامات پر موجود ہے۔

https://archive.org/details/@furqanuddin

https://ketabton.com/books?search=furqanuddin&lang=any&category=any

لا اله الا الله؛ لا اله الا الله؛ لا اله الا الله محمد رسول الله

اللهم صل علی سیدنا محمد و علی اٰلہٖ و صحابہٖ و بارك و سلم تسلیماً کثیرا کثیرا

[19] اس باطنی لذت کا دنیاوی منتہی شہادت فی سبیل اللہ کا مقام ہے؛ شہادت فی سبیل اللہ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی باطنی لذت کا مقام اور شدت اتنی اعلیٰ و ارفع ہے کہ صرف ایک شہید ہی جنت کی نعمتوں کی لذت کے حصول کے بعد بھی اللہ سبحان و تعالیٰ سے اس لذت کے دوبارہ حصول کے لیے اس فانی دنیا میں آنے کی درخواست کرے گا۔ اور اسی باطنی لذت کے حصول کی دعا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے معمول میں قولی اور جہاد فی سبیل اللہ کی صورت میں عملی طور پر شامل تھی۔

Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library